© rasailojaraid.com

تلاشِ حقیقت میں عقل کا سفر

پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

ایک اہم عامل جو عقل کی کارکردگی کو پوری طرح متاثر کرتا ہے، بلکہ اُس کو بالکل نیا رنگ روپ دے دیتا ہے وہ ہے کسی قوم کا مخصوص نظام عقائد اور ایمانیات (IDEOLOGY)۔ شمار تو اس کا بھی مبلغ علم میں ہوتا ہے مگر اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کا ذکر جداگانہ طور پر کیا جا رہا ہے۔ یہ درحقیقت اس قوم کے افراد کا تہذیبی ورثہ ہوتا ہے۔

زمان و مکان کی وسعت میں معاشرتی اور اجتماعی عقل کا مظہر تہذیب و ثقافت کہلاتا ہے۔ ظاہری محسوس اور مشہود حصّہ تہذیب و ثقافت کے نام سے موسوم ہوتا ہے اور باطنی غیر مرئی حصّہ چند مابعد الطبیعیاتی عقائد اور تصورات ہوتے ہیں جو اس تہذیب کے لیے بمنزلہ بنیاد اور اساس کے ہوتے ہیں۔ یہ عقائد اور تصورات اس تہذیب کے رگ و ریشہ میں رچے بسے ہوتے ہیں۔ فکر و عمل کا کوئی گوشہ ہو، زندگی کا کوئی مظہر ہو، سب پہ بنیادی تصورات کی چھاپ لگی ہوتی ہے۔ ان افکار و تصورات کی جھلک اس تہذیب کے علمبردار افراد، طبقات اور اقوام کے اعمال اور کردار میں صاف نظر آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ واضح بنیادی تصورات کے بغیر کوئی تہذیب آج تک قائم نہیں ہو سکی۔ یہ مابعد الطبیعیاتی تصورات اور عقائد کیا ہیں؟ یہ دراصل حقیقت کبریٰ کی وہ جھلک ہے جو اس مخصوص تہذیب نے دیکھی ہے۔ جو اس مخصوص معاشرہ میں قبولیت عامہ حاصل کر چکی ہوتی ہے۔ مبلغ علم اور خاص طور پر نظام عقائد معاشرہ کے ایک ایک فرد کی ذہنی تشکیل کرتے ہیں۔ ان اذہان سے پھر جو اعمال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صادر ہوتے ہیں۔ ان میں یک رنگی و یکسانیت ہوتی ہے۔ تشکیل ذہنیت کے بعد ہر فرد اپنی رنگین عینک سے اشیاء کو دیکھتا ہے۔ ایک ہی شے کو مختلف تہذیبوں کے افراد مختلف نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہندو گائے کو ایک نگاہ سے دیکھتا ہے اور مسلمان اُس کو دوسری نگاہ سے دیکھتا ہے۔

یہ مبلغ علم اور نظامِ عقائد ہی کا فرق ہے جس کے تحت ایک گروہ نے حقیقتِ کبریٰ کا عکس جلال میں دیکھا اور پھر جلال کی تعبیر آتش سے کی اور آتش پرستی شروع کر دی۔ دوسرے گروہ نے حقیقتِ کبریٰ کا عکس جلال میں دیکھا، مگر جلال کی تعبیر آفتاب سے کی۔ اور پھر آفتاب پرستی شروع کر دی۔ تیسرے گروہ نے حقیقتِ کبریٰ کا عکس جمال میں دیکھا اور جمال کی تعبیر مہتاب سے کی اور مہتاب پرستی شروع کر دی۔ (سومناتھ۔ چاند دیوتا)۔ ایک گروہ نے اس کے حسن و جمال کی تشبیہ اتارنے کی کوشش کی اور بت گری اور مجسمہ سازی شروع کر دی۔ یہ ساری کوششیں نارسائی منزلِ مقصود کی غمازی کر رہی ہیں۔ یہ واماندہ راہ بھٹکے ہوئے قافلۂ فکر و نظر کے پڑاؤ ہیں۔ عقلِ استدلالی فریب خوردگی کا شکار ہوئی ہے۔ یہ سب کچھ صحیح ہے مگر راہی کے سفر کا انکار نہیں ہو سکتا۔ تلاشِ حق کی لگن سے انکار نہیں ہے۔

عقلِ وجدانی اور عقلِ تخلیقی بہر طور تلاشِ حقیقت میں اپنا سفر جاری رکھتی ہیں۔ عقل و فہم کے لحاظ سے عظیم تفاوت کے باوجود ہر سطح کے لوگ اور ہر مرتبہ کے افراد کے اندر عقلِ تخلیقی کا سفرِ حقیقت جاری رہتا ہے۔ تلاشِ محبوب میں ہر نوع کے افراد سرگرمِ عمل ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کی عقلِ وجدانی قوی تر ہوتی ہے۔ ان کے یہاں سفرِ عقلی کے نقوشِ راہ واضح تر ہو جاتے ہیں۔ عوام الناس کے یہاں یہ وضاحت مفقود ہوتی ہے۔ اس عقلی سفر کے دو طریقے ہیں۔ صعودی اور نزولی۔ یہ سفر کبھی کثرت سے وحدت کی طرف ہوتا ہے اور کبھی وحدت سے کثرت کی طرف ہوتا ہے۔ کبھی واقعیت سے مشابہت کی طرف ہوتا ہے اور کبھی مشابہت سے واقعیت کی جانب ہوتا ہے۔

قدیم حکماء کے نزدیک عقلی سفر کے مراحل یہ تھے۔ جمادات، نباتات، حیوانات، ناسوت (عالم انسانیت) ملکوت (فرشتے) لاہوت اور جبروت۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عام انسان دیکھتا ہے کہ دُنیا میں ایک انسان دوسرے انسان پر غلبہ حاصل کر رہا ہے اس لیے وہ کارفرما طاقت انسان کو سمجھ لیتا ہے۔ جب ذرا گہری نظر سے معاملہ پر غور کرتا ہے تو اُس کو معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ طاقت و قوت کے مالک ہوتے ہیں بس وہ کارفرما ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ مادی اور جسمانی طاقت کو کارفرما تصور کر لیتا ہے۔ مزید غور و خوض سے اس پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مادی طاقت کے خلاف بالآخر ردِّ عمل شروع ہو جاتا ہے اس لیے یہ ناقص ہے۔ البتہ اگر طاقت اخلاقی اصولوں کی ہو تو اس کو استحکام اور دوام حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح ایک فہمیدہ انسان دُنیا میں کارفرما قوت اخلاقی قوت کو سمجھتا ہے۔ یہ مادیت سے معنویت کی جانب سفر ہے۔

ایک حکیم کی عقل مزید سفر جاری رکھتی ہے۔ اخلاقی اصولوں سے ترقی کرتے کرتے وہ سمجھتا ہے کہ کائنات میں کارفرما قوت "تصورات" کی ہے۔ (ہیگل) تصور وسعت اختیار کرتے کرتے جب کوئی تصور اپنی منطقی حد کو چھو لیتا ہے تو اس کے اندر تضاد پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر ایک نیا وسیع تر تصور تشکیل پاتا ہے جو اس تضاد کو بھی ہضم کر لیتا ہے۔ یہ تصور بھی بالآخر وسعت اختیار کرتے ہوئے اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ پھر تضاد رونما ہوتا ہے۔ پھر ایک تالیفی تصور وجود میں آتا ہے۔ اس طرح تصورات وسیع سے وسیع تر ہوتے جاتے ہیں۔ تصورات کا یہ سفر جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ روحِ کلی اپنا ظہور کرتی ہے۔ ہیگل کا یہ سفر معنویت سے آفاقیت کی جانب ہے۔ یہ دونوں سفر صعودی ہیں۔

صوفیاء کرام کی عقل وجدانی ایک دوسرے انداز پر اپنا سفر جاری رکھتی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ یہ کائنات قدرتِ خداوندی کا مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر آن نئی شان میں جلوہ گر ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " زمین اور آسمان میں جو بھی ہیں سب اپنی حاجتیں اس سے مانگ رہے ہیں۔ ہر آن وہ نئی شان میں ہوتا ہے"۔ (رحمن۔ ۲۹)۔ اس کے ۹۹ اسمائے حسنہ ہیں۔ اسمائے الٰہی کی تجلی عالمِ خلق پر پڑتی رہتی ہے۔ بظاہر تو افراد، گروہ، طبقات اور اقوام فعال اور کارفرما نظر آتے ہیں۔ ورنہ درحقیقت یہ سب اسمائے الٰہی کی تجلیات ہیں۔ اسماء کی تجلی کبھی جلالی ہوتی ہے اور خلق میں شورش و فساد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رونما ہو جاتا ہے۔ اسماء الٰہی کی تجلی کبھی جمالی ہوتی ہے اور خلق میں امن و سکون نظر آتا ہے۔ وہ ذات   سے واقعیت کی طرف اور وحدت سے کثرت کی طرف سفر جاری رکھتے ہیں۔ ان کا سفر نزولی ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے سمجھایا ہے کہ کس طرح عالمِ امر عالمِ خلق پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب مشیتِ ایزدی کسی کام کا فیصلہ فرما لیتی ہے تو وہ اُس کا ذکر "ملاءِ اعلیٰ" میں کرتی ہے۔ وہ اس کا ذکر "ملاءِ سافل" میں کرتے ہیں۔ پھر یہ بات عالمِ ملکوت میں پھیل جاتی ہے۔ پھر وہاں سے یہ بات عالمِ ناسوت یعنی دُنیا میں پہنچ جاتی ہے اور وہ واقعہ پیش آجاتا ہے۔ اُن کا سفر بھی نزولی ہوتا ہے۔

شعرا اور ادبا واقعیت سے مثالیت کی طرف سفر جاری رکھتے ہیں۔ وہ محبوب کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں، حسن و کمال، جمال و جلال، صدق و صفا، عظمت و جبروت وغیرہ حقیقتِ کبریٰ کا کوئی پَرتو جہاں کہیں انہیں نظر آیا، انہوں نے اُس کی توصیف و تعریف، توقیر و تقدیس کرنا شروع کر دی۔ محبوب کے پردے میں درحقیقت وہ مثالی فرد یعنی حقیقتِ کبریٰ کے متلاشی ہوتے ہیں۔ وہ مثالی دُنیا یعنی جنت تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے اندرونی داعیہ سے وہ حسن کی ایک تصویر کھینچتے ہیں۔ مثالی صورت قرار دے کر کچھ عرصہ وہ اس کی تعریف و تقدیس میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ پھر اُن کو احساس ہوتا ہے یہ صورت اُن کی باطنی کیفیاتِ حسن سے صحیح طور پر مطابقت نہیں رکھتی ہے، اُن کو اس کے ناقص ہونے کا شعور ہو جاتا ہے۔ وہ اس کو توڑ پھینکتے ہیں اور پھر ایک نئی صورت گری کرتے ہیں۔ پھر نقص ظاہر ہوتا ہے۔ پھر ایک اور صورت گری کرتے ہیں۔ اسی طرح شعراء کا سفر مثالیت کی طرف جاری رہتا ہے۔ علامہ اقبال نے اس سفر کو بڑے اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔

چوں نظر قرار گیرد بہ نگارِ خوب روئے
تپد آں زماں دلِ من پئے خوب تر نگارے
ز شرر ستارہ جویم ز ستارہ آفتابے
سرِ منزلے ندارم کہ بمیرم از قرارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک دوسرے مقام پر زیادہ واضح الفاظ میں اس سفر کی حقیقت بیان کی ہے۔

گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد گفتم کہ نمی سازد گفتند کہ برہم زن

سے تراشیدم، پرستیدم، شکستم

بعض شعراء سفر کے تمام کے تمام مراحل طے کر لیتے ہیں۔ حقیقت کبریٰ تک ان کی رسائی ہو جاتی ہے۔ حقیقت کی جھلک سے وہ بے خود ہو جاتے ہیں۔ ان کا کلام عارفانہ بن جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ لکھتے ہیں "اعلیٰ ریاضی، اعلیٰ فلسفہ اور اعلیٰ شاعری کا موضوع حقیقت کبریٰ ہوتا ہے"۔ لیکن بعض شعراء درمیانی مرحلوں میں اور بعض دوسرے شعراء ابتدائی مرحلے ہی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اور وہ مانگ چوٹی کے دام سے باہر نہیں نکلتے۔ بہرکیف شعراء کا سفر مقامیت سے آفاقیت کی طرف، مادیت سے معنویت کی طرف، واقعیت سے مثالیت کی طرف جاری رہتا ہے۔ وہ حقیقتِ کبریٰ تک پہنچنے کی پیہم سعی و جہد کرتے رہتے ہیں۔ ان کی یہ نغمہ سرائی کسی خارجی مقصد کے لیے نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ وہ اپنے اندرونی جذبہ کی تسکین کے لیے نغمہ سرائی کرتے رہتے ہیں۔

مادی حکماء، سائنسدانوں کا سفر ایک دوسری جہت سے جاری ہے۔ یہ سفر قدیم زمانہ سے جاری ہے۔ عالمِ محسوسات اور مادہ سے انہوں نے آغاز کیا۔ نشاۃ ثانیہ کے مغرب کے تمام حکماء "مادہ ہمہ اوست" کا نعرہ لگایا کرتے تھے۔ (امریکی سائنسدان پی۔ جی۔ ٹیٹ ۱۸۷۶ء) اور مذہب، خدا، آخرت اور اخلاق کی خرافات تصور کرتے تھے (فرانسیسی سائنس داں درکھائم۔ ۱۹۱۲ء) ۔ لیکن فکری مراحل طے کرتے کرتے اب وہ اس منزل پر پہنچ چکے ہیں کہ کائنات کو فانی تصور کرتے تھے ہی (آسٹریلوی سائنسدان بولٹنز مین ۱۹۶۰) ۔ اب روح اور مادہ کی تفریق کا دور ختم ہو گیا ہے۔ کائنات کی حقیقت معروضی نہیں ہے بلکہ صراحتہً موضوعی سمجھتے ہیں۔ (انگریز سائنسدان ایڈنگٹن ۱۹۴۱)

سے ارتباطِ حرف و معنیٰ اختلاطِ جان و تن

مادی حکماء کا یہ سفر صعودی ہے۔

حقیقت کبریٰ تک پہنچنے کے لیے مختلف انسانی طبقات مختلف جہات میں سفر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس سفر میں نہ معلوم کتنی صدیاں بیت چکی ہیں۔ اور آئندہ کتنی صدیوں تک مزید یہ سفر جاری رہے گا۔ انتہائے سفر کے بعد انسان کس مقام پر پہنچے گا؟ اس کے جاننے کے لیے عقلِ انسانی کے پاس کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے البتہ اپنی کتاب قرآن مجید میں اس مقام کے متعلق واضح اشارت فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور اُن کے اپنے نفس میں بھی دکھائیں گے۔ یہاں تک کہ اُن پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ (قرآن) واقعی حق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے"۔ (حٰم سجدہ ۵۳)

اس آیت میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ انسانی تاریخ میں ایک دور ایسا آئے گا جب تمام مادی علوم (آفاق) اور تمام انسانی علوم (انفس) اس حق کی تائید کریں گے جو قرآن پیش کر رہا ہے۔ یعنی انسانی وعمرانی علوم ــــ سائنس اور فلسفہ ــــ ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچ جائیں گے کہ وہ وحی الٰہی کی بیان کردہ حقائق کی پوری طرح تائید کریں گے۔ یہ عقل انسانی کی معراج ہے۔ یہ فکر انسانی کی منتہائے مقصود ہے۔

روز ازل فرشتوں نے ذکر کیا تھا کہ فساد انگیزی اور خوں ریزی انسان کی سرشت ہے اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس اعتراض پر خاموشی اختیار کی اور صرف یہ کہا "کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے"۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جن نقائص کا تم ذکر کر رہے ہو وہ بھی انسانی سرشت میں ہیں۔ وہ بھی انسان کو عقل فکر اور اختیار وارادہ عطا کر دینے کا نتیجہ ہے۔ مگر انسانی سرشت میں اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری خوبیاں ہیں، پھر دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھیج دیا کہ وہ فرشتوں کے اعتراض کا عملی جواب دے۔ اس لاکھوں سال کی زندگی میں انسان فرشتوں کا جواب دے رہا ہے۔

انفرادی سطح پر انبیائے کرام، صلحا اور اتقیا ہر دور میں اور ہر زمانہ میں پیدا ہوتے رہے جن کی پاک اور پاکیزہ زندگیاں وہ تھیں کہ۔

ع دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

ان کی نفسِ مطمئنہ والی زندگیاں فرشتوں کے اندیشہ کی عملی تردید ہے۔ اجتماعی سطح پر (باقی برصفحہ ۳۰)

© rasailojaraid.com